تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

جولائی ۲۰۲۲ء

شمارہ ۸

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

جلد ۲

لیتفقھوا فی الدین

فقہ اکیڈمی

لیتفقہوا فی الدین

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب رحمہ اللہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب
- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلشن جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK   FIQHACADEMY   FIQHACADEMYPK   +92 330 3474223

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضامین

نعت	ہمیں جو یاد مدینے کا لالہ زار آیا	ساغر صدیقی	۴
اداریہ	سود	مدیر	۵
درسِ قرآن	دعا کی اہمیت اور آداب	مولانا محمد اقبال	۹
درسِ حدیث	پانچ برائیاں: پانچ عذاب	ابنِ عباس	۱۴
مقالات	تفسیرِ قرآن کے آداب (۱)	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ	۱۷
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱۳)	صوفی جمیل الرحمان عباسی	۲۳
مقالات	سفرنامہ ترکی (۶)	مولانا حماد احمد ترک	۳۲
یسئلونک	قرض دار پر قربانی	دارالافتاء، فقہ اکیڈمی	۴۰
ادبیات	علاوہ اور سوا کا استعمال	احمد حاطب صدیقی	۴۱

ساغر صدیقی (۱۹۲۸ء-۱۹۷۴ء)
معروف شاعر

ہمیں جو یاد مدینے کا لالہ زار آیا

ہمیں جو یاد مدینے کا لالہ زار آیا
تصورات کی دنیا پہ اک نکھار آیا

کبھی جو گنبدِ خضرا کی یاد آئی ہے
بڑا سکون ملا ہے، بڑا قرار آیا

یقین کر کہ محمد کے آستانے پر
جو بد نصیب گیا ہے وہ کامگار آیا

ہزار شمس و قمر راہِ شوق سے گزرے
خیالِ حسنِ محمد جو بار بار آیا

عرب کے چاند نے صحرا بسا دیے ساغر
وہ ساتھ لے کے تجلی کا اک دیار آیا

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

*****

مدیر

ماہنامہ مفاہیم، کراچی

سود

پاکستان اپنی تاریخ کے بدترین بحران کا شکار ہے۔ ایک طرف سیاسی ابتری اور دوسری طرف معاشی کسمپرسی ہے۔ ملک کا نظام فوجی بوٹ اور سودی نوٹ چلارہاہے اور سود بھی وہ جو عالمی سامراج کے قرضوں پر دیا جارہاہے۔ قرضے کی قسطیں پوری کرنے کے لیے ظالمانہ ٹیکس لگا کر مہنگائی میں اضافہ کیا جارہاہے یہاں تک کہ ضروریاتِ زندگی عام آدمی کی پہنچ سے دور ہو چکی ہیں۔ قیادت کا وہ فقدان ہے کہ ان مسائل کی حقیقی وجوہات جاننے کے بجائے ہر اگلا وزیر اعظم پچھلے کو لعنت ملامت کر کے خود کو سبک دوش محسوس کرتا ہے۔ عالمی سطح پر مہنگائی میں اضافہ، کرونا وبا کے اثرات سمیت ہماری معاشی بدحالی کی بہت ساری مادی وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم نے اسوۂ یوسفی سے کام لیتے ہوئے اپنی زراعت اور دیگر معاش کو منظم نہیں کیا لیکن ہماری معاشی ابتری کی سب سے بڑی وجہ اخلاقی ہے۔ اور وہ معاصی کا ارتکاب ہے: «إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ» (سنن ابنِ ماجہ) ''بے شک بندہ اپنے ارتکاب شدہ گناہوں کے سبب اپنے رزق سے محروم ہو جاتا ہے''۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ دنیا میں کئی نافرمانوں کو رزق میں وسعت دی گئی ہے جو حدیث کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے تو اس کا جواب شارحین نے یوں دیا کہ یہاں رزق کی کمی سے مراد ایک تو رزقِ حلال ہے اور دوسرے وہ رزق جس پر انسان کو قناعت نصیب ہو جائے تو ان دو چیزوں کو معیار بنا کر دیکھیں تو امیروں اور غریبوں کی اکثریت ان دو چیزوں میں سے ایک سے محروم ہے۔ کئی گناہ ایسے ہیں جن کی سزا دنیا ہی میں دے دی جاتی ہے۔ ان سزاؤں میں سے ایک سزا رزق میں کمی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «مَا ظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ إِلَّا أَلْقَى اللهُ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ وَلَا فَشَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ الْمَوْتُ وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا قَطَعَ عَنْهُمُ الرِّزْقَ وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الدَّمُ وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْعَدُوُّ» (مؤطا امام مالک) ''کسی قوم میں (انفرادی اور اجتماعی) خیانت و غبن نہیں پھیلتا مگر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے اور جب کسی قوم میں بدکاری پھیلتی ہے تو ان میں اموات زیادہ ہونے لگتی ہیں اور کوئی قوم ناپ تول میں کمی نہیں کرتی مگر ان سے رزق روک لیا جاتا ہے اور کوئی قوم ناحق فیصلے کرتی ہے تو اس میں خون خرابا عام ہو جاتا ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو ان پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے''۔

گناہوں میں بہت بڑا اور بہت برا گناہ سود ہے جس پر اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے۔ افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ بینک کے سود کو ربا قرار دینے اور حکومت کو اس کے خاتمے کے لیے ٹائم فریم دینے کے فیصلے کے خلاف اپیل کی جا چکی ہے۔ یہ اپیل اصل میں معاملے کو کھٹائی میں ڈالنے کا ایک طریقہ ہے جیسا کہ پہلے بھی ہمارے ملک میں ایسا کیا جا چکا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی چیز ہے: «إِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِي قَرْيَةٍ، فَقَدْ أَحَلُّوا بِأَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللهِ» (مستدرکِ حاکم) ''جس معاشرے میں زنا اور سود پھیل جائے تو اس معاشرے نے خود کو عذابِ الٰہی کا مستحق ثابت کر دیا''۔ اعلیٰ عدالتی فیصلوں کے باوجود شریعت کے اس حکم کو ناقابلِ تسلیم قرار دیتے ہوئے شریعت کی خلاف ورزی پر مصر؛ افراد، ادارے یا بینک اصل میں شیطانی انفیکشن کا شکار ہو چکے ہیں: ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرة:۲۷۵) ''وہ لوگ جو سود خوری کرتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالاں کہ اللہ نے تجارت کو حلال جب کہ سود کو حرام قرار دیا ہے''۔

آج ہم جس معاشی بدحالی کا رونا رو رہے ہیں تو اس کا براہِ راست تعلق سودی معیشت کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:«يَمْحَقُ اللهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ» (البقرة:۲۷۶) ”اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقے کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا“۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان کیا:«مَا أَحَدٌ أَكْثَرَ مِنَ الرِّبَا إِلَّا كَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهِ إِلَى قِلَّةٍ» (سنن ابنِ ماجہ) ”سودی لین دین سے کوئی کتنا ہی مال جمع کر لے آخر کار اس کا انجام قلت ہی ہے“۔ سود کی قباحت وخباثت اتنی زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے واضح کرنے کے لیے پرلے درجے کی گھٹیا حرکت سے تشبیہ دی تاکہ لوگ سود سے متنفر ہو سکیں:«الرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ» (سنن ابنِ ماجہ) ”سود کے ستر گناہ ہیں ان میں سب سے ہلکا اس کے برابر ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے“۔

رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر بہت شفیق تھے اور آپ ﷺ لعنت ملامت سے بہت بچا کرتے تھے لیکن سود کی برائی ایسی تھی کہ نبیٔ رحمت ﷺ بھی لعنت بھیجے بغیر نہ رہ سکے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ، لَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَشَاهِدِيهِ وَكَاتِبَهُ» (سنن ابنِ ماجہ) ”رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے، اس کے گواہوں اور اس کے لکھنے والے پر“۔

رسول اللہ ﷺ کی لعنت، آخرت کی ذلت اور دنیا کی غربت سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم تمام گناہوں بالخصوص سود خوری اور سودی بینکوں میں اکاؤنٹ رکھنے اور ان کے ساتھ لین دین کرنے سے توبہ کریں۔ سچی توبہ ہی سے امید ہے کہ اخروی عذاب اور ملکی معاشی بدحالی سے بچ پائیں گے۔ قرآنِ کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا بیان یوں ہوا ہے:﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ﴾ ”پس میں نے ان سے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو وہ آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائے گا اور وہ تمھیں مال و اولاد میں بڑھا دے گا“۔ امام ابنِ کثیر ان الفاظ کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ جب تم اللہ کی

جناب میں توبہ واستغفار کروگے اور اس کی اطاعت کروگے تو تمھارا رزق وسیع کردیا جائے گا اور زمین وآسمان کی برکتوں سے تمھیں نوازا جائے گا۔ ایک حدیث میں مختلف گناہوں پر دنیاوی عذابوں اور ذلت کا ذکر ہے اور اسی کے آخر میں اس ذلت سے نکلنے کا راستہ بھی بیان کیا گیا ہے: «لَا يَرْفَعُهُ عَنْهُمْ حَتَّى يُرَاجِعُوا دِينَهُمْ» (المعجم الکبیر) ”اللہ اس ذلت کو ان سے نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ وہ دین کی طرف پلٹ آئیں“۔ پس ہمیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہگاری کا طرزِ عمل ترک کر کے اس کی اطاعت و عبادت پر کمر بستہ ہونا چاہیے۔ ذاتی حیثیت میں سودی لین دین سے مکمل اجتناب کے ساتھ ملکی معیشت میں سے سود کے قلع قمع کرنے کے لیے آواز اٹھانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ عوام و حکمران سب کو سچی توبہ اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

*****

مولانا محمد اقبال
رکن شعبہ تحقیق و تصنیف

دعا کی اہمیت اور آداب

سورۂ اعراف، آیات:۵۵۔۵۶

﴿اُدعُوا رَبَّكُم تَضَرُّعًا وَّ خُفيَةً ،إِنَّه لَا يُحِبُّ المُعتَدِينَ ۝ ولَا تُفسِدُوا فِي الأَرضِ بَعدَ إِصلَاحِهَا وَادعُوهُ خَوفًا وَّ طَمَعًا إِنَّ رَحمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ المُحسِنِينَ﴾

”تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو، اور اس کی عبادت اس طرح کرو کہ دل میں خوف بھی ہو اور امید بھی، یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے“۔

تفسیر و توضیح

ہمہ وقت درماندگی و بے بسی کی تصویر ضعیف و لاچار بندوں کے لیے مشکل کشائی اور حاجت روائی کا بہترین دروازہ دعا ہی ہے۔ دعا وہ ہتھیار ہے جس کی بدولت دکھوں کا مداوا، غموں اور پریشانیوں کا خاتمہ اور ستم رسیدہ افراد کی فریادرسی ممکن ہے اور اسی طرح یہ ایک بندۂ مومن اور اس کے پروردگار کے درمیان رابطے کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ دعا کی عظمت و فضیلت محتاجِ بیان نہیں ہے، اس پر بکثرت آیاتِ الٰہیہ اور احادیثِ طیبہ موجود ہیں۔ چونکہ دُعا ایک عظیم الشان عبادت بھی ہے، جو درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور ہماری عبدیت کی علامت اور اس کی ذات پر کامل توکل واعتماد کا مظہر ہے۔

لہٰذا جس طرح دوسری عبادات کے آداب و حدود ہیں اور ان کی رعایت کرنا ضروری ہے، اسی طرح دعا بھی نہایت عظمت والی عبادت ہے بلکہ اسے حدیثِ مبارکہ میں عبادت کا حاصل اور نچوڑ قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی، حدیث: ۳۳۷۱) اس لیے اس کے آداب و حدود کا خیال رکھنا بھی اُتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسری عبادات مثلاً نماز، روزہ وغیرہ کے آداب اور حدود کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ زیرِ مطالعہ آیاتِ مبارکہ میں اسی کے متعلق ارشادِ ربانی ہے: ﴿اُدعُوا رَبَّكُم تَضَرُّعًا وَّ خُفيَةً﴾ "تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو"۔ یہاں اَلتَّضَرُّع کا مطلب ہے: نہایت عاجزی اور رغبت کے ساتھ مانگنا، جبکہ الخَفِّیة کہتے ہیں آہستہ آہستہ پکارنا جو علانیہ کی نقیض یعنی ضد ہے۔ (لسان العرب) سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے مقامِ مدح میں حضرت زکریا علیہ السلام کے دعا مانگنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِذ نَادٰی رَبَّه نِدَآءً خَفِيًّا﴾ "یہ اس وقت کی بات ہے جب انھوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا تھا"۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بين دعوة السر ودعوة العلانية سبعون ضعفا، (تفسیرِ بغوی، ج:۲، ص:۱۹۸) "چپکے سے دعا مانگنا علانیہ دعا مانگنے سے ستّر گنا زیادہ قبولیت و فضیلت کا درجہ رکھتا ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا میں اصل یہ ہے کہ آہستہ آہستہ آواز سے مانگی جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ دلوں کے حال سے خوب واقف ہے، اس لیے اسے پہنچانے کے لیے بلند آواز سے پکارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿إِنَّه لَا يُحِبُّ المُعتَدِينَ﴾ "یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ آیتِ مبارکہ کے اس حصے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ حکم اگرچہ مطلق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حد سے تجاوز کرنے والے پسند نہیں ہیں اور قرآنِ کریم میں جگہ جگہ حد سے گزرنے والوں کی مذمت آئی ہے، چونکہ یہاں دعا مانگنے کے ضمن میں یہ حکم بیان ہوا ہے، اس لیے مفسرین نے اسی تناظر میں اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ امام ابنِ جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن من الدعاء اعتداءً، يُكره رفعُ الصوتِ والنداءُ والصياحُ بالدعاء، ويُؤمر بالتضرُّع والاستكانة. (جامع البيان في تأويل القرآن، ج:۱۲، ص:۴۸۷) "بیشک دعا میں حد سے تجاوز بلند آواز سے دعا مانگنا اور چیخنا چلّانا ہے جسے مکروہ قرار

دیا گیا ہے جبکہ اسے نہایت عاجزی، رغبت اور سکون واطمینان کے ساتھ مانگنے کا حکم کیا گیا ہے"۔ شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: "اس حد سے گزرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بہت اونچی آواز سے دعا مانگی جائے، اور یہ بھی کہ کوئی ناجائز یا ناممکن چیز طلب کی جائے، جو دعا کے بجائے (معاذاللہ) مذاق بن جائے، مثلاً یہ دعا کہ میں ابھی آسمان پر چڑھ جاؤں، کفار بعض اوقات آنحضرت (ﷺ) سے اس قسم کی دعائیں مانگنے کا مطالبہ کرتے تھے"۔ (توضیح القرآن) ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہتے سنا: اللّهم إنِّي أسأَلُكَ القَصرَ الأبيَضَ عن يمينِ الجنَّة إذا دخلتُها، فقال: أيْ بُنَيَّ، سَلِ اللهَ الجنَّةَ، وتعوَّذ به مِنَ النَّار، فإني سمعتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يقول: «إنَّه سيكونُ في هذه الأمَّةِ قومٌ يَعتَدونَ في الطُّهور والدُّعاء» (سنن ابی داؤد، حدیث:۹۶)

"اے اللہ! میں جب جنت میں داخل ہوں تو مجھے جنت کی دائیں طرف کا سفید محل عطا فرما۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے بیٹے! تم اللہ سے جنت طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: اس امت میں عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو طہارت اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے"۔

﴿وَلَا تُفسِدُوا فِي الأَرضِ بَعدَ إِصلَاحِهَا﴾ "اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو"۔ اس آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ مچاؤ، اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو زمین میں بسایا تو اس وقت تک یہاں نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، گویا اس کی اصلاح ہو چکی تھی۔ مگر بعد میں انسان نے یہاں نافرمانیاں کرکے زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد برپا کر دیا۔ لہٰذا یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو اور اللہ کی نافرمانیوں سے اسے آلودہ نہ کرو۔ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يعني تعالى ذكره بقوله: ﴿وَلَا تُفسِدُوا فِي الأَرضِ بَعدَ إِصلَاحِهَا﴾ لا تشركوا بالله في الأرض ولا تعصوه فيها، وذلك هو الفساد فيها.(جامع البيان فی تاويل القرآن، ج:۱۲، ص:۴۸۷) "اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَلَا تُفسِدُوا فِي الأَرضِ بَعدَ إِصلَاحِهَا﴾ کا مفہوم ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور نہ ہی اس میں گناہ کرو، اس لیے کہ یہی تو زمین میں فساد ہے"۔

﴿وَادعُوهُ خَوفًا وَّطَمَعًا إِنَّ رَحمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ المُحسِنِينَ﴾ ”اور اس کی عبادت اس طرح کرو کہ دل میں خوف بھی ہو اور امید بھی۔ یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے“۔ آیتِ مبارکہ کے اس حصے میں دعا کا صیغہ عبادت کے لیے بھی آیا ہے اور دعا یعنی مانگنے کے لیے بھی آیا ہے۔ چونکہ اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں دعا سے مراد عبادت ہے اسی لیے یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ عبادت کرنے والے کو ہمیشہ یہ فکر دامن گیر ہونی چاہیے کہ میں جو عبادت کر رہا ہوں یا میں نے کی ہے نہ جانے اس کا میں ٹھیک ٹھیک حق ادا کر سکا ہوں یا نہیں اور ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ امید بھی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اپنی بارگاہ میں اسے قبول کرلے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: خوفا من عقابه وطمعا في ثوابه. (الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، ج:۲، ص:۳۷۷) ”اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی امید رکھنا چاہیے“۔

اسی طرح بعض مفسرین نے یہاں دعا کے صیغے کو مانگنے کے مفہوم میں لیا ہے تو پھر زیرِ مطالعہ آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اس طرح مانگو کہ دل میں خوف بھی ہو اور امید بھی یعنی دعا کی قبولیت کی امید بھی ہو اور یہ ڈر بھی ہو کہ دعا کی حدود کی رعایت میں کہیں مجھ سے کوتاہی نہ ہو جو حرمانِ نصیبی کا باعث بنے۔ لہٰذا اگر یہاں دعا کو اسی مفہوم میں لیا جائے تو یہ عبادت بھی ہے جیسے کہ ہم ماقبل میں اس کی وضاحت کر چکے ہیں اور ساتھ اس میں قرآنِ کریم کی آیات کے مفہوم میں ایک باریک اور معنوی ربط بھی سمجھ میں آتا ہے جو قرآن کریم ہی کا اعجاز ہے، ورنہ بندہ جتنا بھی ذہین ہو وہ اس معنوی ربط کا خیال نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ رَحمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ المُحسِنِينَ﴾ ”یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے“۔ یعنی دعا کو اللہ تعالیٰ نے رحمت سے تعبیر کیا ہے جبکہ سورۂ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ﴿ذِكرُ رَحمَتِ رَبِّكَ عَبدَهُ زَكَرِيَّا﴾ ”یہ تذکرہ ہے اس رحمت کا جو تمھارے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی“۔ یہ رحمت کیا تھی؟ تو آگے اللہ تعالیٰ نے خود وضاحت فرمائی: ﴿إِذ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَآءً خَفِيًّا﴾ ”یہ اس وقت کی بات ہے جب انھوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ آواز سے پکارا

تھا"۔ یعنی جب انھوں نے آہستہ آہستہ آواز سے دعا مانگی تھی، تو اس کی قبولیت کو رحمتِ خداوندی قرار دیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ دعا بذاتِ خود ایک اہم عبادت ہے، اس کی ان حدود کی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے جو مذکورہ آیات میں بیان ہوئی ہیں اور ہمیں ان تمام آداب کا خیال رکھتے ہوئے دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چونکہ دعا ایک ایسی عبادت ہے، جس کے لیے نہ کوئی وقت متعیّن ہے اور نہ ہی کسی حالت کی قید ہے، البتہ دعا کے کچھ آداب ہیں ان کی رعایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بندے کو ہر وقت ہر حالت میں خواہ سفر ہو یا حضر، تندرست ہو یا مریض، آزمائش و مصیبت میں گرفتار ہو یا آسائش میں ہو غرض کسی بھی حالت میں دعا سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں دعا کی اہمیت و فضیلت اور اس کے آداب جاننے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں اپنے خزانوں سے خوب لینے والا اور مانگنے والا بنا دیں۔ آمین

* * * * *

ابنِ عباس
معاون قلم کار

پانچ برائیاں: پانچ عذاب

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ، وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ، وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ، وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ، وَعَهْدَ رَسُولِهِ، إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ، وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ، إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ» (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”اے گروہِ مہاجرین! پانچ برائیاں ایسی ہیں کہ اگر تم میں آگئیں تو تمھیں ابتلاؤں کا سامنا کرنا پڑے گا اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ، جس قوم میں فحاشی پھیل جائے اور اس کا ارتکاب اعلانیہ کرنے لگیں تو اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے آباواجداد میں کبھی نہیں پائی گئیں۔ اور جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں تو انھیں خشک سالی اور ضروریاتِ زندگی کی تنگی اور حکومتوں کی سختی سے پالا پڑے گا اور اگر لوگ مالوں کی زکاۃ ادا نہ کریں تو ان سے بارشیں روک لی جاتی ہیں اور اگر جانور نہ ہوتے تو بارش بالکل ہی نہ دی جاتی اور کوئی بھی قوم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد کو نہیں توڑتی مگر اللہ اس پر بیرونی دشمن مسلط کر دیتا ہے پس وہ ان کی بعض چیزوں کو چھین لیتے ہیں اور

کسی قوم کے حاکم کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہ کریں اور اللہ کی نازل کردہ شریعت میں تبدیلیاں کریں تو اللہ ان کے درمیان لڑائی ڈال دیتا ہے۔

تشریح

حدیثِ مبارکہ میں اگرچہ اولین اور براہِ راست خطاب جماعتِ مجاہدین سے ہے لیکن حدیث کی ہدایت عام ہے اور تمام ہی مسلمان اس کے مخاطبین میں شامل ہیں۔

پہلی برائی: حدیث میں سب سے پہلے جس خصلتِ بد کا ذکر کیا گیا وہ زنا ہے۔ اس کی سزا مختلف بیماریوں کا ظہور ہے خاص طور پر ایڈز نامی بیماری زیادہ تر اسی برائی کا شاخسانہ ہے۔

دوسری برائی: ناپ تول میں کمی کرنا ہے اس جرم کی پاداش میں تین سزائیں بیان ہوئی ہیں پہلی یہ کہ انھیں خشک سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بارشیں صحیح وقت پر نہیں ہوتیں اور بجائے نفعے کے ضرر رساں بن جاتی ہیں۔ دوسری سزا ضروریاتِ زندگی کی ناپیدی ہے یہ غلہ اور پیداوار کی کمی اور مہنگائی کے سبب ہوگا اور تیسری سزا بادشاہوں کا ظلم وستم ہے۔ اس کی عام صورت تو یہ ہے کہ ملک میں اشیا کی قلت کے باوجود اپنے شاہانہ اخراجات کو جاری رکھتے ہیں اور اس کی خاص صورتیں بھی ہیں کہ ظالمانہ ٹیکس لگانا، اصلاح کی آواز بلند کرنے والوں پر تازیانے برسانا اور ظالمانہ سزاؤں کا نفاذ کرنا۔

تیسری برائی: زکاۃ نہ ادا کرنا ہے یہ برائی بھی عام ہے۔ زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے آخرت میں بھی عذابِ الیم ہے لیکن اس کی دنیاوی سزا میں آسمان سے بارشیں روک دی جاتی ہیں۔ اللہ کی طرف سے رحمت اور برکت کی علامت بارش کو روکنا اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہے۔ تھوڑی بہت بارشوں کا نزول بے زبان جانوروں کے لیے ہوتا ہے جس کے وسیلے سے ہم انسانوں کو بھی کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی اشارہ نکلا کہ اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے انسان جانوروں سے بھی پرلے درجے میں جا پڑتا ہے۔

چوتھی برائی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عہد سے مراد عہدِ شریعت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کا عہد کرنا ہے۔ یہ عہد کلمہ پڑھتے ہی انسان پر لاگو ہو جاتا ہے۔ اس میں وہ وعدے بھی شامل ہیں

جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے نام پر انسانوں سے کرتا ہے۔ تو اللہ ان لوگوں پر باہر سے دشمن مسلط کرتے ہیں۔ دشمن کا یہ تسلط کبھی تو براہِ راست ہوتا ہے جیسا کہ قیامِ پاکستان سے پہلے انگریز کی حکومت کی صورت میں تھا اور کبھی یہ تسلط معنوی ہوتا ہے جس کے نتیجے میں لوگ غیر ملکی قوتوں کی کاسہ لیسی اور ان کی پالیسیوں پر عمل درآمد کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اس نافرمان ملک کے اموال و اثاثہ جات بیرونی قوتوں کی تحویل میں چلے جاتے ہیں۔

پانچویں برائی: حکمرانوں کا کتاب اللہ اور شریعت کے مطابق قانون سازی اور فیصلہ سازی نہ کرنا ہے یا پھر شریعت کے من پسند احکام پر عمل کر لیا جائے اور جو اپنے مفاد کے خلاف نظر آئیں ان پر عمل نہ کیا جائے۔

فائدہ: ملکِ پاکستان اس وقت معاشی و معاشرتی بدحالی سے دوچار ہے۔ مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ حالات ہمارے اعمال کے سبب ہیں پس اصلاحِ احوال کے لیے اصلاحِ اعمال ضروری ہے۔

*****

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۳۲ء-۲۰۰۰ء)

تفسیرِ قرآن کے آداب (۱)

تفسیر و تاویل کا مفہوم

تفسیر کے معنی ہیں: ''کسی چیز کا کھولنا، ظاہر کرنا، بیان کرنا''۔ اور اہلِ علم کی اصطلاح میں تفسیرِ قرآن کے معنی ہیں: ''قرآنِ کریم کے معانی کو بیان کرنا اور مرادِ خداوندی کی تعیین کرنا''۔ تاویل کے معنی ہیں: ''پھیرنا، لوٹانا'' اور اہلِ علم کی اصطلاح میں تاویل سے مراد ہے: ''قرآنِ کریم کے الفاظ اور جملوں کو ان کی اصل مراد کی طرف لوٹانا''۔ تفسیر و تاویل کے الفاظ عموماً ہم معنی استعمال کیے جاتے ہیں اور بعض اہلِ علم ان دونوں کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ تفسیر کا لفظ زیادہ تر مفرد الفاظ کی تشریح کے لیے استعمال ہوتا ہے اور تاویل کا لفظ جملوں کا مفہوم بیان کرنے کے لیے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: جس فقرے کا مفہوم قطعی طور پر متعیّن ہو اور اس میں کسی دوسرے مفہوم کی گنجائش نہ ہو ایسے مفہوم کو بیان کرنا تفسیر کہلاتا ہے اور جہاں متعدّد معانی کا احتمال ہو وہاں غور و فکر کے بعد ایک پہلو کو متعیّن کرنے کا نام ''تاویل'' ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: جو مفہوم منقول ہو اس کا نام تفسیر ہے اور جو اجتہاد و استنباط سے تعلق رکھتا ہو اسے تاویل کہا جائے گا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الاتقان، نوع:۷۷) خلاصہ یہ کہ: ''علمِ تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآنِ کریم کے معنی بیان کیے جائیں اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے''۔ (معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، جلدِ اول، ص:۴۹)

ایک نازک ترین ذمے داری

قرآنِ کریم کی تفسیر و تشریح ایک کٹھن کام اور نہایت نازک ترین ذمے داری ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم حق تعالیٰ

شانہٗ کا مقدس کلام ہے اور قرآنِ کریم کی تفسیر در حقیقت حق تعالیٰ شانہٗ کی ترجمانی کا نام ہے، جب ہم قرآنِ کریم کے کسی لفظ، کسی جملے یا کسی آیت کی تفسیر بیان کرتے ہیں تو گویا ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے، اس طرح اپنے بیان کیے ہوئے مفہوم کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں ذرا سی لغزش اور سہل انگاری افتراء علی اللہ کا موجب ہو سکتی ہے، افتراء علی اللہ نہایت سنگین جرم ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ ’’اور اس سے زیادہ کون بے انصاف ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلادے، ایسے بے انصافوں کی رستگاری نہ ہوگی‘‘۔ (ترجمہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) سربراہانِ مملکت اور شاہانِ عالم کی ترجمانی کے فرائض ادا کرنا سب جانتے ہیں کہ کس قدر نازک ذمے داری ہے اور جو شخص اس ذمے داری پر فائز ہو اس کے لیے کیسی لیاقت و مہارت شرط ہے؟ شاہانہ رسوم وآداب اور زبان و محاورات سے اس کا کس درجہ باخبر ہونا ضروری ہے، پھر ترجمانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے اسے کس قدر حزم واحتیاط اور بیدار مغزی سے کام لینا چاہیے اور پھر دانستہ و نادانستہ غلط ترجمانی پر کس قدر عتاب شاہی کا اندیشہ ہے، جب سلاطینِ دنیا کی ترجمانی اس قدر نازک کام ہے تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شہنشاہِ مطلق، احکم الحاکمین کی ترجمانی کا کام کس قدر مشکل اور کتنا نازک ہوگا۔ قرآنِ کریم کی تفسیر اپنے اندر نزاکت کا ایک اور پہلو بھی رکھتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم ہی سے شاہراہِ انسانیت کی نشاندہی ہوتی ہے، اسی سے عقائد و عبادات کی مشکلیں متعیّن ہوتی ہیں، اسی سے معاملات و معاشرت کی تشکیل ہوتی ہے، اسی سے حق تعالیٰ شانہٗ کی پسند و ناپسند، جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی حد بندی ہوتی ہے، اسی سے اخلاقی قدریں وجود پذیر ہوتی ہیں، اسی سے انسانیت و عبدیت کے پیمانے ڈھلتے ہیں، اسی سے اسلام کا عالم گیر قانون وجود میں آتا ہے، الغرض دین و مذہب، عقائد و اعمال، اخلاق و معاشرت، سیاست و تمدن اور عدل و انصاف کے قانونی، اخلاقی اور انسانی پہلوؤں کا مدار قرآنِ کریم ہے اور ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر و تشریح میں ذرا سی بے احتیاطی بھی کتنے ہولناک مفاسد کا سبب بن سکتی ہے؟ اور ایسے بے احتیاط مفسر اور اس پر اعتماد کرنے والے کے حق میں شدید خطرہ ہے کہ یہ کتابِ ہدایت ﴿يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ کے بجائے ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا﴾ کا منظر پیش کرے۔

تفسیرِ قرآن میں سلفِ صالحین کی احتیاط ورزی

تفسیرِ قرآن کی اسی عظمت ونزاکت کے پیشِ نظر بہت سے سلف صالحین، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ علیہم تفسیر کے باب میں لب کشائی سے گریز کرتے تھے، چنانچہ جماعتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گل سر سبد اور انبیا کرام علیہم السلام کے بعد انسانیت کے سب سے افضل ترین شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے قرآنِ کریم کے کسی لفظ کے معنی دریافت کیے گئے تو فرمایا: أيُّ أرضٍ تُقِلُّني وأيُّ سماءٍ تُظلني إذا قُلتُ في كتاب اللهِ ما لا أعلم (تفسیر ابنِ کثیر، ج:۱، ص:۵) اور سید التابعین حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان سے قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا جاتا تو فرماتے: إنا لانقول في القرآن شيئًا (تفسیر ابنِ کثیر، ج:۱، ص:۶) یعنی ”ہم قرآنِ کریم کی تفسیر میں کچھ نہیں کہا کرتے تھے“۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ قرآنِ کریم کی صرف انھی آیات میں لب کشائی کرتے تھے جن کا مفہوم قطعی طور پر معلوم ہوتا تھا۔ یزید بن ابی یزید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے حلال و حرام اور جائز وناجائز کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں، لیکن جب ہم ان سے قرآنِ کریم کی کسی آیت کے بارے میں سوال کرتے تو ایسے خاموش ہوجاتے گویا انھوں نے سنا ہی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ”اعلم الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین“ ہیں اور حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ ”اعلم التابعین رحمۃ اللہ علیہم“ ہیں، لیکن علم وفضل، دانش وبصیرت، تقویٰ وطہارت اور نورِ قلب میں بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود وہ قرآنِ کریم میں لب کشائی سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی نزاکت سے باخبر ہیں اور جانتے ہیں کہ تفسیر میں معمولی بے احتیاطی کا وبال کتنا سنگین ہے۔

شرائطِ مفسر

قرآنِ کریم کی تفسیر کے لیے کیسی لیاقت درکار ہے اور ایک مفسرِ قرآن میں کن اوصاف وشرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟ علماے امت نے اس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے، حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ:۹۱۱ھ) نے

"الاتقان" کی ۷۸ویں نوع میں اس کا خلاصہ درج کردیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بعض اہلِ علم تو اس کے قائل ہیں کہ کسی شخص کے لیے خواہ وہ کیسا عالم وفاضل ہو قرآنِ کریم کی تفسیر جائز ہی نہیں، بلکہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اسی پر بس کرنا ضروری ہے۔ (مگر یہ قول عام علما کے نزدیک صحیح نہیں، ناقل) اور علما کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ جو شخص ان علوم میں مہارت رکھتا ہو، جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں اس کے لیے قرآن کریم کی تفسیر جائز ہے اور یہ مندرجہ ذیل پندرہ علوم ہیں:

۱: علمِ لغت، ۲: علمِ صرف، ۳: علمِ نحو، ۴: علمِ اشتقاق، ۵: علمِ معانی، ۶: علمِ بیان، ۷: علمِ بدیع، ۸: علمِ قراءات، ۹: علمِ اصولِ دین، ۱۰: علمِ اصولِ فقہ، ۱۱: علمِ اسبابِ نزول، ۱۲: علمِ ناسخ و منسوخ، ۱۳: علمِ فقہ، ۱۴: علمِ حدیث، ۱۵: نورِ بصیرت اور وہبی علم۔

تفسیر کے آداب

اول: تفسیر کے مأخذ میں سب سے پہلا مأخذ قرآنِ کریم ہے، اس لیے مفسر کا فرض ہے کہ وہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس کے سیاق وسباق کے ساتھ ساتھ اس مضمون کی دوسری آیات کو بھی پیشِ نظر رکھے، کیونکہ قرآنِ کریم میں ایک ہی مضمون کو مختلف انداز وعنوان سے بیان کیا جاتا ہے، ایک مضمون ایک جگہ مجمل ہوگا تو دوسری جگہ مفصل، ایک جگہ مختصر ہوگا تو دوسری جگہ مطوّل، ایک جگہ مطلق ہوگا تو دوسری جگہ مقیّد، پس قرآنِ کریم کی کسی آیت سے ایسا مفہوم کشید کرنا جائز نہیں ہوگا، جو خود قرآنِ کریم کی آیاتِ بینات کے خلاف ہو۔

دوم: اسی طرح مفسرِ قرآن کا یہ بھی فرض ہے کہ کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل، ہدی وسیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وطریقہ کو پیشِ نظر رکھے اور تفسیرِ قرآن میں کوئی ایسی بات نہ کہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ کے خلاف ہو، کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جس طرح قرآنِ کریم کے الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے ہیں، اسی طرح اس کی تشریح وتوضیح کا بھی خود ذمہ لیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (القیامۃ) "پھر اس کا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمے ہے"۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اس آیتِ کریمہ سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم کی مراد (بیان) بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی

طرف سے بتائی جاتی تھی، اس لیے قرآنِ کریم کے شارح و مفسر خود حق تعالیٰ شانہ ہیں اور چونکہ آنحضرت ﷺ نے وحی جلی و خفی اور نورِ نبوت کے ذریعے قرآنِ کریم کو سمجھا تھا، اسی لیے آپ ﷺ قرآنِ کریم کی تشریح و تفسیر میں بھی تلمیذ الرحمٰن تھے اور امت کو قرآنِ کریم کے مفہوم و مقصود سے آگاہ کرنا بھی آپ ﷺ کے فرائض میں شامل تھا، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾(النحل:۴۴) ”اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے، تاکہ جو جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان پر ظاہر کردیں اور تاکہ وہ فکر کیا کریں“۔(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾(النحل:۶۴) ”اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس واسطے نازل کی ہے کہ جن امور میں لوگ اختلاف کررہے ہیں آپ لوگوں پر اس کو ظاہر فرمادیں اور ایمان والوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے“۔(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ﴾ (النساء:۱۰۵) ”بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلادیا ہے“۔(ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) پس امت کے لیے قرآنِ کریم کے سب سے پہلے شارح و مفسر خود آنحضرت ﷺ تھے اور آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال و افعال، احکام و فرامین اور آپ ﷺ کی سیرت و سنت، قرآنِ حکیم ہی کی شرح و تفصیل ہے، اسی حقیقت کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنتِ صدیق رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: کان خلقه القرآن (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۵۶) ”آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا“۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ کے اخلاق و عادات، طور و طریق اور سیرت و کردار سب قرآنِ کریم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے اور آپ ﷺ جو کچھ بھی فرماتے یا کرتے تھے وہ سب قرآنِ کریم ہی کی تعلیم تھی، اس لیے آپ ﷺ کا ہر حکم قرآنِ کریم کا شارح تھا، اسی کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا کھول کر یوں بیان فرمایا: كُلُّ ماحَكَمَ بِهِ رسولُ اللّٰهِ ﷺ فهُوَ مِمّا فهمهٗ مِنَ القرآن، قال تعالىٰ: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ﴾ في آياتِ آخر (الاتقان فی علوم القرآن، ج:۲، ص:۱۷۶) ”رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلے بھی فرمائے وہ آپ ﷺ نے قرآنِ کریم ہی سے سمجھے

تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلادیا ہے“۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے شیخ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے: ”اگر نورِ بصیرت کے ساتھ احادیثِ شریفہ پر غور کیا جائے تو نظر آئے گا کہ بہت سی احادیث قرآنِ کریم کے چشمہ ٔ صافی سے نکلی ہیں، یہاں تک کہ بہت سی احادیثِ شریفہ میں قرآنِ کریم کی تعبیرات کی طرف لطیف اشارات پائے جاتے ہیں“۔ (یتیمۃ البیان، ص:۲۸) قرآنِ کریم کی تشریح و تفسیر کے لیے قرآنِ کریم کے شارحِ اول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تبیین کس قدر ناگزیر ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے ہوگا:

۱: قرآنِ کریم میں بار بار ”اقامتِ صلوٰۃ“ کا حکم دیا گیا ہے، کس وقت کی نماز کی کتنی رکعات ہیں؟ نماز کی شرائط وارکان کیا ہیں؟ نماز کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہوتی ہے؟ وغیرہ وغیرہ بیسیوں سوالات ایسے ہیں جن کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے فرمائی ہے اور ان تشریحاتِ نبوی کے بغیر کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ قرآنِ کریم کے حکم ”اقامتِ صلوٰۃ“ کا مفہوم متعیّن کر سکے۔

۲: قرآنِ کریم میں بہت سی جگہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن زکوٰۃ کس مال پر فرض ہے؟ کس پر نہیں؟ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ زکوٰۃ کی کتنی مقدار فرض ہے؟ یہ اور اس قسم کے تمام امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح سے امت کو معلوم ہوئے ہیں، ورنہ کوئی شخص مرادِ خداوندی کو دریافت نہیں کر سکتا تھا۔

۳: قرآنِ کریم میں حج بیت اللہ کا حکم دیا گیا ہے، لیکن حج کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کے ارکان ولوازمات کیا ہیں؟ ان تمام امور کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی تشریح سے معلوم ہوئی، اس کے بغیر کوئی شخص ”قرآنی حج“ کا طریقہ کار متعیّن نہیں کر سکتا تھا۔ یہ چند مثالیں اسلام کے اہم ترین ارکان کی عرض کی گئی ہیں، جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآنِ کریم کی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور ہدی و سیرت میں متشکل ہو کر سامنے آتی ہے۔

جاری ہے

* * * *

صوفی جمیل الرحمن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم و ناظمِ شعبہ تحقیق و تصنیف، فقہ اکیڈمی

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱۳)

۵۴۹ ھ میں بارہویں فاطمی اسماعیلی خلیفہ الظافر باللہ کے انتقال کے بعد اس کا نابالغ لڑکا خلیفہ بنایا گیا تو یہ شیعی خلافت انتشار کا شکار ہو گئی۔ مختلف سرداران اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی دوڑ میں لگے تھے۔ ایک فریق نے صلیبیوں سے مدد چاہی تو دوسرے گروہ نے نور الدین زنگی سے اپنے شہر کا انتظام سنبھالنے کی درخواست کی۔ زنگی نے اپنے اہم سالار اسد الدین شیر کوہ کو دمشق روانہ کیا، اس طرح ۵۴۹ ھ میں دمشق بغیر کسی جنگ و جدل کے نور الدین زنگی کی حکومت میں داخل ہو گیا۔ (واقد ساہ، ص:۲۷۸)

۵۵۱ ھ میں نور الدین نے حارم قلعے کا محاصرہ کیا اور تاوان لے کر صلح کی۔ (الکامل) ۵۵۷ ھ میں دوبارہ حارم قلعے کا محاصرہ کیا گیا لیکن فتح نہ کر سکے۔ ۵۵۹ ھ میں، مصر کے فاطمی والی نے فرنگیوں سے ساز باز کر کے انھیں مصر پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اسد الدین شیر کوہ مصر کی حدود میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو گئے اور مصری فرنگی اتحاد سے کامیابی سے دفاع کیا۔ اسی دوران نور الدین زنگی نے فرنگیوں کی توجہ مصر سے ہٹانے کے لیے اپنے بھائی قطب الدین مودود کو ساتھ ملا کر حارم پر حملہ کیا اور سخت لڑائی کے بعد قلعہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد انھوں نے آگے بڑھ کر بانیاس کا قلعہ فتح کیا۔ مصر کے محاذ پر مصروف فرنگیوں کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ اسد الدین شیر کوہ کے ساتھ صلح کر کے اپنے علاقوں میں واپس ہو گئے۔ فاطمی والی شاوُر کی شرارتیں جاری رہیں۔ کچھ عرصے بعد شیر کوہ نے پھر قاہرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ فرنگی بھی اپنے حلیف کی مدد کو آئے لیکن شیر کوہ نے متحدہ فوج کو شکست دی اور شاوُر کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد شیر کوہ فاطمی مملکت کے مصر میں نائب مقرر ہوئے، خلیفہ

العاضد باللہ برائے نام خلیفہ تھا۔ تمام اختیارات شیر کوہ کے پاس تھے۔ شیر کوہ اپنے مرضِ وفات میں اپنے بھتیجے صلاح الدین یوسف بن ایوب کو اپنی جگہ وزیر سلطنت بنا گئے۔ تھوڑے عرصے میں ایوبی نے نور الدین کے حکم کے مطابق فاطمی خلافت کا خاتمہ کرکے عباسی خلیفہ کا خطبہ شروع کردیا۔ (الکامل فی التاریخ، واقد ساہ، ص:۲۷۹)

۵۶۱ھ میں نور الدین زنگی نے شامی شہر مُنَیطرہ پر مختصر فوج کے ساتھ اچانک حملہ کرکے اسے فتح کرلیا۔ یہاں سے بہت سامال غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ نور الدین زنگی رحمہ اللہ اپنی ریاست کو مستحکم کرچکے تھے۔ اب انھوں نے بیت المقدس کو آزاد کرانے کا عزمِ مصمم کرلیا۔ ۵۶۵ھ میں میں نور الدین نے حلب شہر میں مسجد اقصیٰ کے لیے ایک منبر بنانے کا حکم دیا۔ البتہ اس منبر کی تکمیل سے پہلے ہی آپ انتقال فرماگئے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے قدس پر جان نچھاور کرنے کا ارادہ کیے ہوئے بے شمار جاسوس بیت المقدس کی طرف روانہ کیے۔ تاکہ وہ قدس، وہاں کے مظلوم مسلمانوں اور قابض قوتوں کے بارے میں ہر قسم کی معلومات حاصل کریں۔ تاریخی کتبوں میں ان میں سے ہر ایک نام کے آگے لکھا ہوا ملتا ہے خرج و هو يسأل الله الشهادة ''وہ اللہ تعالیٰ سے شہادت مانگتے ہوئے نکلا''۔ (واقد ساہ، ص:۲۸۲) نور الدین نے خود قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ وہ فقہا و مشایخ اور صوفیہ اور فقرا کو نزدیک رکھتے اور کہا کرتے: هؤلاء جند الله وبدعائهم ننصر على الأعداء یہ اللہ کی فوج ہے اور انھی کی دعاؤں سے ہم دشمنوں پر فتح پاتے ہیں''۔ نور الدین زنگی صوفیا و علما سے رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے قوم میں جہادی روح پھونک دی۔ ایک سردار کے الفاظ میں دیکھیے: إِنَّهُ قَدْ كَاتَبَ زُهَّادَهَا وَعُبَّادَهَا وَالْمُنْقَطِعِينَ عَنِ الدُّنْيَا، يَذْكُرُ لَهُمْ مَا لَقِيَ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْفِرِنْجِ، وَمَا نَالَهُمْ مِنَ الْقَتْلِ وَالْأَسْرِ، وَيَسْتَمِدُّ مِنْهُمُ الدُّعَاءَ، وَيَطْلُبُ أَنْ يَحُثُّوا الْمُسْلِمِينَ عَلَى الْغَزَاةِ، فَقَدْ قَعَدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ أُولَئِكَ، وَمَعَهُ أَصْحَابُهُ وَأَتْبَاعُهُ، وَهُمْ يَقْرَؤُونَ كُتُبَ نُورِ الدِّينِ، وَيَبْكُونَ (الکامل فی التاریخ) ''انھوں نے دنیاداری سے الگ تھلگ رہنے والے عابد و زاہد لوگوں کی طرف خط روانہ کیے جن میں مسلمانوں کو فرنگیوں کی طرف سے پہنچنے والے مصیبتوں اور قید و قتل کے حالات لکھتے تھے۔ زنگی نے ان سے اپنے لیے دعا کی درخواست کی اور یہ بھی کہ وہ

لوگ مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کریں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے پیرو کاروں اور ساتھیوں کو لے کر بیٹھ جاتا اور وہ نور الدین کے خط پڑھ کر رویا کرتے“۔

۵۶۹ شوال میں نور الدین کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے الملک الصالح اسماعیل حکمران بنائے گئے۔ لیکن ان کی قیادت میں مملکت متفق نہ رہ سکی اور آپس کے انتشار کے علاوہ اللہ کی نافرمانی، شراب نوشی اور دوسری برائیوں کا ارتکاب کیا جانے لگا۔ یہ حالات دیکھتے ہوئے فرنگیوں نے ایک فوج دمشق کی طرف روانہ کی۔ الملک الصالح نے جو فوج مقابلے کے لیے روانہ کی، اس نے کثیر رقم پیش کر کے فرنگیوں کو واپس کیا۔ صلاح الدین کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ سخت پریشان ہوئے اور انھوں نے اسماعیل کو ملامت کی اور دمشق کی حفاظت کے لیے فوج روانہ کرنے کی پیش کش کی۔ لیکن سرداروں نے ان کے خطوط کا سختی سے جواب دیا۔ اب صلاح الدین ایوبی نے شام کو اپنے قبضے میں لینے کا ارادہ کیا چناں چہ وہ دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور پر امن طور پر قبضہ کر لیا۔ حلب پر قبضے کے وقت ملک اسماعیل نے سرداروں کے ایما پر پہلے تو شیعہ عناصر کی مدد، اس شرط پر حاصل کی کہ کامیابی کے بعد وہ شیعہ مذہب کو فروغ دے گا۔ اس فوج نے شہر سے دور قیام پذیر ایوبی پر حملہ کیا لیکن کچھ نقصان اٹھا کر شکست کھائی۔ اس کے بعد انھوں نے بھاری رقم کے عوض طرابلس کے فرنگی حکمران قومَص کی مدد حاصل کی، لیکن ایوبی نے اس کے مقدمے کو راستے ہی میں شکست دے کر ساری فوج کو واپسی پر مجبور کر دیا۔ الملک الصالح اسماعیل حلب میں محصور ہو گئے۔ انھوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں صلح کی درخواست کی جو قبول ہوئی اور حلب پر الملک الصالح ہی کو حاکم مقرر کر دیا گیا۔

۵۷۴ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو خلیفہ بغداد کی طرف سے خِلعت نیابت عطا ہوئی۔ اگلے سال ۵۷۵ھ میں مَرْجِ عُیُون کے مقام پر فرنگیوں کے ایک متحدہ لشکر سے سلطان کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے فرنگیوں کو عبرت ناک شکست سے دو چار کیا۔ فرنگیوں کی ایک بڑی تعداد مقتول ہوئی اور بہت سارے سرداران بھی مقتول یا اسیر ہوئے۔ اسی دن ایک سمندری جھڑپ میں سلطانی افواج نے فرنگیوں کا بیڑا غرق کیا۔ فرنگیوں نے دمشق اور طبریہ کے درمیان بَیْتُ الْاَحْزان کے مقام پر صلیبیوں کے لیے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا تھا تاکہ اس علاقے میں صلاح الدین کی سرگرمیوں کو کنٹرول میں لیا جا

سکے۔ صلاح الدین ایوبی کی طرف سے انھیں یہ قلعہ خالی کرنے کا کہا گیا اور ایک لاکھ روپے ان کے خرچ کی مد میں ان کو دینے کی پیش کش کی لیکن عیسائیوں نے انکار کیا۔ ۵۷۶ھ میں ایوبی نے اس قلعے کا محاصرہ کرکے اسے فتح کرلیا۔ اس کے بعد آپ دمشق کی طرف لوٹ آئے۔ اسی سال انھوں نے بَعْلَبَک کی ولایت اپنے بھتیجے فروخ شاہ بن شاہنشاہ کو سونپی۔ جنھوں نے فرنگیوں کو متعدّد شکستیں دے کر صفد اور آس پاس کے کئی علاقے فرنگیوں کے قبضے سے چھڑا لیے۔

اسی سال ایوبی اور فرنگیوں کے درمیان صلح ہوئی۔ اس سال ایوبی نے ترکمانی علاقوں پر حملہ کرکے کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا۔ اسی سال ریاست موصل کے حاکم سیف الدین غازی بن مودود الزنگی انتقال کرگئے جن کے بعد، ان کے بھائی عز الدین مسعود حاکم بنائے گئے۔ خلیفہ بغداد کی طرف سے عزالدین مسعود کے حق میں سفارش موصول ہوئی کہ سروج، رہا، الرقہ، حران، خابور اور نصیبین وغیرہ کے علاقے ان کے پاس رہنے دیے جائیں۔ سلطان کا موقف یہ تھا کہ پہلے میں نے یہ علاقے اس شرط پر زنگیوں کے قبضے میں رہنے دیے تھے کہ وہ جہاد میں حصہ لیں گے لیکن چونکہ وہ جہاد نہیں کررہے اور یہ علاقے مسلمانوں کے لیے دفاعی لحاظ سے اہم ہیں لہذا ان پر ہمارا قبضہ ضروری ہے۔ اسی سال سلطان کے بڑے بھائی شمس الدولہ توران شاہ بن ایوب، فاتح و نائبِ یمن انتقال کرگئے۔ ۵۷۷ھ میں سلطان قاہرہ میں مقیم رہے اور کتبِ حدیث کا سماع مکمل کیا۔ اسی سال انھوں نے اسکندریہ کا دورہ کیا اور وہاں کے قلعے کی تعمیرِ نو کا جائزہ لیا۔ اسی سال الملک الصالح اسماعیل بن نور الدین زنگی والئ حلب انتقال کرگئے۔ ان کے بعد اہلِ حلب نے والئ موصل عزالدین مسعود کو بلاکر اپنا شہر ان کی حکومت میں دے دیا۔ اہلِ حلب کی خواہش تھی کہ وہ علاقے جو سیف الدین غازی کے بعد ایوبی نے لے لیے تھے وہ واپس حاصل کیے جائیں۔ یہ شہ پاکر عزالدین نے رقہ وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ اسی دوران فرنگیوں نے صلح توڑتے ہوئے ملحق ایوبی علاقوں میں مسلمانوں پر حملے شروع کردیے۔ چناں چہ ۵۷۸ھ میں، مصر سے شام کی طرف روانہ ہوئے راستے میں سلطان نے کرک کے اردگرد فرنگی امارتوں کو تاراج کیا۔ اسی عرصے میں نائبِ دمشق فروخشاہ نے طبریہ کے اردگرد کئی علاقے فتح کیے۔ سلطان نے بھی بیسان وغیرہ کے علاقے میں حملہ کیا۔ ایک خوفناک لڑائی میں فرنگیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ اس کے بعد ایوبی نے حلب اور اطراف کے علاقوں کی طرف فوجیں روانہ کیں تاکہ وہ اپنا قبضہ بحال کریں۔ سلطان خود فوج لے کر

دوسرے علاقوں مثلاً خابور، حران، رہا، رقہ اور نصیبین وغیرہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے والیوں نے آپ کی اطاعت قبول کی۔ بعد میں آپ نے حلب پر بھی قبضہ کر لیا اور اس شرط پر عماد الدین کے حوالے کر دیا کہ وہ فرنگیوں کے مقابلے میں ایوبی کی مدد کریں گے۔ انھی دنوں فقیہ مجد الدین الشافعی نے قرآن کریم کی آیت مبارکہ ﴿الم غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ﴾ سے اشارت لیتے ہوئے ایوبی کو بیت المقدس کی فتح کی بشارت لکھ بھیجی۔ والی کرک نے بحرِ قلزم میں اپنے بحری بیڑے کو مضبوط کر کے مسلمان تاجروں اور حاجیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ سلطان نے ان کے مقابلے میں بحری بیڑا تیار کرایا، چنانچہ مسلمانوں نے سمندر میں بھی فرنگیوں کو شکست دی، ان کی کشتیوں کو جلایا اور غرق کیا، بہت سوں کو قیدی بنایا اور بہت سوں کو قتل کیا۔ ۵۷۹ھ میں ایوبی نے آمد شہر پر صلح کے ذریعے قبضہ کیا۔

ربیع الاول کے آخر میں ایوبی حلب سے نکل کر دمشق تشریف لے گئے۔ جمادی الثانی میں آپ بیت المقدس کے ارادے سے نکلے، انھوں نے بیسان پر قبضہ کیا، یہاں سے عینِ جالوت کے مقام تک گئے اور ایک لشکر آگے روانہ کیا، جس کا ایک فرنگی لشکر سے مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی شہید ہوا جبکہ فریقِ مخالف کے ایک سو قیدی بنائے گئے جبکہ مقتولین بھی کثیر تعداد میں تھے۔

اس کے بعد ایوبی کا ایک فرنگی لشکر سے مقابلہ ہوا جس میں کافروں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ کثیر تعداد قتل ہوئی اور مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور بہت بڑی تعداد کو اسیر کیا۔ سلطان نے آگے بڑھ کر کرک کا محاصرہ کر لیا لیکن فتح نہ ہو سکی۔ آپ دمشق واپس لوٹ آئے۔ اگلے سال یعنی ۵۸۰ھ میں سلطان نے؛ حلب، مصر و شام کی فوجوں کو جمع کیا اور کرک کا محاصرہ کیا، اگرچہ بعض مقابلوں میں فرنگیوں کو شکست ہوئی لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ آپ نے دمشق واپسی کا ارادہ کیا البتہ نابلس اور بعض ساحلی علاقے فتح کرتے ہوئے آپ دمشق پہنچے یہاں آپ نے مصر اور حلب وغیرہ کی فوجوں کو واپسی کی اجازت دی۔ آپ یہاں سے حماہ، موصل، حران، خلاط، الجزیرہ، دیارِ بکر وغیرہ کی طرف گئے۔ کئی علاقوں پر آپ نے قبضہ کیا اور کئی علاقوں کے حکمرانوں نے آپ کی اطاعت کا وعدہ کیا۔ ایوبی کی شرط یہی ہوتی تھی کہ جب فرنگیوں سے جہاد کی نوبت آئے تو آپ نے ہماری مدد کرنی ہے۔ ان دنوں سلطان سخت بیمار ہوئے۔ اور زندگی کی امید نہ رہی۔

القاضي الفاضل أبو علي عبد الرحیم کے مشورے پر آپ نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے صحت دے دے تو بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لیے فرنگیوں کے مقابلے میں شد و مد سے جہاد کروں گا چاہے اپنا تمام مال اور ذخائر اس راہ میں کھپانا پڑے۔ اور والی کرک پرنس ارياط کو اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا کیوں کہ اس نے معاہدہ شکنی کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایوبی کو شفادی۔ ۵۸۲ھ میں شفایابی کے بعد سلطان دمشق میں تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ یہاں کے انتظامات کو دیکھنے کے بعد ۵۸۳ھ میں حضرت ایوبی دمشق سے کرک کی طرف روانہ ہوئے۔ رضا کاروں کے علاوہ آپ کی فوج بارہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ والی کرک ارياط نے طرابلس کے حاکم قومص سے اتحاد کر لیا اور پچاس ہزار کا لشکرِ جرار مقابلے پر لے آئے۔ ایوبی رحمہ اللہ اس لشکر سے پہلو بچا کر طبریہ کی طرف نکل گئے اور اس شہر کو فتح کر لیا۔ کافروں کا لشکر طبریہ کی طرف بڑھا تو ایوبی حطین کے مقام پر چلے آئے۔ جمعے کی رات دونوں لشکروں نے اسی میدان میں بسر کی۔ یہ ہفتے کا دن اور ربیع الثانی کی پچیس تاریخ تھی۔ فرنگیوں کے لشکر کی طرف گھاس پھوس بہت زیادہ تھی جو ان کے گھوڑوں کے پیروں میں چورا چورا ہو رہی تھی۔ ایوبی نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ گھاس کو آگ لگا دی جائے۔ اس کے بعد تکبیر کی صداؤں میں عام حملہ شروع ہوا۔ شروع ہی میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور فرنگی ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور تیس ہزار فرنگی قتل کیے گئے اور ہزاروں کی تعداد میں قیدی بنائے گئے۔ ان کے تمام شہزادے اور حکمران قید ہوئے البتہ قومص بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ عیسائیوں کی صلیبِ اعظم جس کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے وہ مغلوب نہیں ہوسکتے۔ مسلمانوں نے چھین لی۔ جنگ کے بعد سلطان نے ایک عظیم خیمہ لگوایا اور تخت پر جلوہ افروز ہوئے ان کے دائیں اور بائیں قیدی تھے جو اپنا اپنا فدیہ پیش کر رہے تھے۔ آپ بعض کا فدیہ قبول فرماتے اور جو مسلمانوں کو اذیت دینے میں مشہور تھے ان کی گردن مارنے کا حکم دیتے۔ اس کے بعد فرنگیوں کے سردار پیش کیے گئے جنھیں حسبِ مراتب دائیں اور بائیں بٹھایا گیا۔ کرک کے والی پرنس ارياط کی گردن آپ نے اپنے ہاتھ سے اڑائی اور کہا کہ میں نے یہ رسول اللہ ﷺ کا بدلہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ داویہ اور استثاریہ نامی متعصب اور دشمنِ اسلام عیسائی فرقوں کے تمام لوگوں کو آپ نے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جس سے مسلمانوں نے بہت راحت پائی۔ اس کے بعد سلطان نے آگے بڑھ کر عکّا پر

حملہ کیا۔ قبضے کے بعد آپ نے یہاں سے چار ہزار مسلمان قیدی آزاد کرائے۔ آپ نے جمعے کی نماز یہیں پڑھائی۔ ستر سال کے بعد یہاں جمعہ ادا کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے صَیدا، بیروت، عسقلان، بابُلس، بیسان وغیرہ فتح کیے۔ آپ نے چھوٹے بڑے پچاس شہر فتح کیے۔ کسی جگہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کیا گیا ہر جگہ سے بہت سارے قیدی اور مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ آتا رہا۔ سلطان نے فوجوں کو انھی شہروں میں قیام کرنے اور آرام کرنے کا حکم دیا تاکہ تازہ دم ہو کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہو سکیں۔ کچھ عرصے بعد سلطان نے بیت المقدس کی طرف روانگی کا ارادہ کیا۔ کئی علاقوں سے مجاہدین اور علما و صلحا آکر آپ کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ آپ کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار ہو چکی تھی۔ ۲۵ رجب ۵۸۳ھ میں آپ نے بیت المقدس پہنچ کر غربی جانب ڈیرے ڈالے۔ آپ نے دیکھا کہ شہر کی خوب حفاظت کی گئی ہے۔ آپ نے پانچ دن یہاں آرام کیا۔ آپ نے اپنے لشکر کو چھوٹے دستوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک کے ذمے دیوار کا کچھ حصہ اور برج دیے۔ اس کے بعد سلطان خود شام کی سمت قدرے فاصلے تک چلے گئے۔ فرنگیوں نے باہر نکل کر حملہ کیا اور کچھ مسلمان امرا شہید بھی ہوئے۔ اب مسلمانوں نے منجیقیں نصب کیں۔ قلعے کی دیواروں پر صلیبیں نصب تھیں اور قبۃ الصخرہ پر ان کی بڑی صلیب نصب تھی۔ سلطان نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ شرقی جانب سے حملہ کیا۔ یہاں انھوں نے دیوار میں شگاف ڈالنے کے ساتھ آگ بھی لگا دی۔ پس اس طرف سے دیوار اور اس کے برج گر گئے۔ اس موقعے پر ان کے اکابر نے سلطان ایوبی کی خدمت میں امان طلب کرتے ہوئے ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی۔ سلطان نے فرمایا: ہم بیت المقدس بغیر کسی صلح کے؛ بزورِ قوت ہی فتح کریں گے اور یہاں کے عیسائیوں کو اسی طرح تہِ تیغ کریں گے جیسے عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضے کے وقت مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا۔ ان دنوں بیت المقدس کا حاکم بالیان بن بازِران تھا۔ اس نے امان طلب کرتے ہوئے سلطان کے پاس خود حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جو اسے دے دی گئی۔ اس نے سلطان کے سامنے حد درجے عاجزی کا مظاہرہ کیا لیکن سلطان نے اسے عام امان دینے سے انکار کیا۔ اس پر بالیان نے کہا کہ اگر ہمیں امان نہیں دی جاتی تو میں جا کر تمام چار ہزار قیدیوں کو قتل کروں گا۔ ہم اپنی اولاد، اپنی خواتین کو خود قتل کریں گے۔ قبۃ الصخرہ کو آگ لگا کر اور اپنے گھر بار خود تباہ کر کے اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ مرنے کے لیے جہاد کریں گے۔ اس پر سلطان صلح کی طرف راغب ہوئے۔ طے پایا کہ ہر بندہ دس دینار، خاتون پانچ دینار

اور چھوٹا بچہ دو دینار فدیہ ادا کرے گا اور جو شخص ۴۰ دن تک یہ ادا نہیں کر سکے گا وہ مسلمانوں کا قیدی بنے گا اور تمام اسلحہ، تمام غلہ اور تمام گھر مسلمانوں کی ملکیت قرار پائیں گے۔ شرائط پوری کرنے والے عیسائیوں کو صور شہر کی طرف جانے کی اجازت دی جائے گی۔ جو لوگ شرط پوری نہ کر سکے وہ سولہ ہزار قیدی بنائے گئے۔ مسلمان ۲۷ رجب، جمعے کے دن بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ ایک رائے کے مطابق یہ شبِ معراج بھی تھی۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کی صفائی کی۔ عیسائیوں کے نصب شدہ بت، خنزیر اور راہبوں سے اس مقدس مسجد اور شہر کو پاک کیا گیا۔ ان کے بنائے ہوئے محراب توڑ دیے گئے۔ قبۃ الصخرہ کو پاک پانی سے غسل دیا گیا جس کے بعد اسے عرق گلاب اور مشک سے دھویا گیا۔ قبۃ الصخرہ اور دیگر مقامات سے صلیبیں اتار دی گئیں۔ سونا چاندی آپ نے افواج میں تقسیم کر دیا۔ بیت المقدس کی تطہیر اور اہلِ ایمان کے دخول کے بعد مسجد میں اذان دی گئی اور قرآنِ کریم کی تلاوت کی گئی۔ شعبان کی چار تاریخ کو یہاں جمعہ قائم کیا گیا۔ اذانِ جمعہ کے بعد سلطان نے شیخ محی الدین ابن الزکی کو خطبۂ جمعہ کا اذن دیا۔ جنھوں نے بیت المقدس کے فضائل، معراج کا واقعہ اور فتح کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعام کا ذکر فرمایا۔ آپ نے خلفاے راشدین کے ذکرِ خیر کے بعد عباسی خلیفہ الناصر العباسی اور الملک الناصر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے دعا کی۔ نماز کے بعد شیخ زین الدین ابوالحسن بن علی نجا المصری نے سلطان کی اجازت سے وعظ فرمایا۔ اس کے بعد سلطان نور الدین زنگی کا بنایا ہوا منبر، حلب سے منگوا کر بیت المقدس میں رکھوایا گیا۔ آپ نے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا جس کو الصلاحیہ کہا جاتا ہے اور ایک خانقاہ بھی آباد کی۔ آپ نے فقہاے کرام، ائمہ کرام اور صوفیاے کرام کے وظائف مقرر کیے۔ اس کے بعد سلطان نے صور شہر پر حملہ کیا لیکن محاصرہ طویل ہوتا گیا اور سردیوں کا موسم آگیا۔ آپ کے امرا نے مشورہ دیا کہ اس وقت ہماری فوجوں کو آرام کی ضرورت ہے اور یہاں موسم سازگار نہیں ہے لہٰذا اس شہر کی فتح کو کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھا جائے۔ سلطان نے یہ رائے قبول فرمائی اور فوجوں کو اپنے اپنے علاقے میں واپسی کا حکم دیا۔ آپ خود دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں عکا شہر میں کچھ انتظامات کیے۔ ۵۸۴ھ میں انطرطوس، جبلہ اور لاذقیہ کے شہر فتح کیے اور صہیون، بکاس، بدریہ، دربساک، غراس کے قلعے فتح کیے۔ اس کے بعد انھوں نے انطاکیہ کے حاکم کو خط لکھا۔ اس نے مسلمان قیدیوں کی رہائی پر اس سے صلح چاہی۔ اس نے سات ماہ کے لیے صلح منظور کی۔ سلطان کچھ عرصہ آرام

چاہتے تھے اس لیے آپ نے یہ منظور کی اور سات ماہ کے لیے صلح کا معاہدہ ہوا۔ سلطان اپنے بیٹے الملک الظاہر کی دعوت پر حلب تشریف لے گئے اور تین دن یہیں قیام کیا۔ اس کے بعد آپ بعلبک تشریف لے گئے۔ رمضان کے اوائل میں آپ دمشق تشریف لے آئے۔ یہیں آپ کو کرک کی فتح کی خبر ملی۔ چند روز آرام کرنے کے بعد آپ صغد قلعے کی طرف حملہ آور ہوئے اور محاصرہ کرلیا۔ شوال کے مہینے میں صلح کے ساتھ قلعہ فتح ہوا۔ اس کے بعد کوکب قلعہ فتح کیا جو مسلمانوں کے بدترین دشمن عیسائی فرقے استثاریہ کا گڑھ تھا۔ فتح کے بعد آپ نے تمام ظالموں کو قتل کرادیا۔ ۵۷۹ھ میں سلطان الملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب مبتلاے بخار ہوئے۔ قاضی ابنِ شداد، قاضی ابن الزکی، القاضی الفاضل اور دیگر قاری حضرات کی تلاوت وتلقین کے سائے میں جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ کی عمر ستاون سال تھی۔ (واقد ساہ، دکتور سید حسین العفّانی، البدایہ والنہایہ لابنِ کثیر، الکامل فی التاریخ)

جاری ہے

*****

مولانا حماد احمد ترک

نائب مدیر، ماہنامہ مفاہیم، کراچی

سفر نامۂ ترکی (۶)

آج ۱۸ نومبر ہے اور ہمارے اس سفر کا اہم دن ہے، کیونکہ ہمیں منبر الاقصی کی خصوصی دعوت پر ایک روزہ تربیتی نشست کے لیے منبر الاقصی کے مرکز پہنچنا ہے۔ نمازِ فجر کی باجماعت ادائی کے بعد قریبی بازار سے ناشتے کا انتظام کیا گیا۔ ادھر ناشتہ مکمل کیا اور اُدھر اطلاع ملی کہ گاڑی پہنچ گئی ہے۔ دنیا کے تمام بڑے شہروں کی طرح استنبول میں بھی دفتری اوقات میں سڑکوں پر شدید ٹریفک ہوتا ہے، لہٰذا کہیں بھی جانے کے لیے موزوں ترین وقت آٹھ بجے سے پہلے کا ہے۔ ہم نے سامان سمیٹا، بارش اور سردی کے انتظامات کیے اور نیچے اتر آئے۔ باہر ایک بڑی وین میں منبر الاقصی کے دو اہم نمائندے ڈاکٹر یوسف وردہ صاحب اور احمد صاحب ہمارے منتظر تھے۔ احمد صاحب نسلاً البانی تھے جبکہ یوسف صاحب فلسطینی تھے اور القدس کی حفاظت میں کئی مرتبہ صیہونی افواج کے مقابلے پر دادِ شجاعت دے چکے تھے۔ اِن دنوں استنبول میں فقہ اور اصولِ فقہ کی تدریس میں مشغول تھے۔ ہمیں بحرِ مرمرہ سے متّصل مقام جلّالیہ میں واقع منبر الاقصی کے دفتر پہنچنا تھا جس کی مسافت دو گھنٹے تھی۔ راستے میں اپنے میزبانوں سے مختصر تعارف بھی ہوا۔ راستہ آبنائے باسفورس سے گزر کر جاتا تھا لہٰذا باسفورس کو قریب سے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ باسفورس ایک آبی گزر گاہ ہے جو بحرِ اسود اور بحرِ مرمرہ کو ملانے کا کام دیتی ہے۔ یہ گزر گاہ دنیا کی اہم ترین تجارتی گزر گاہوں میں سے ہے۔ اس کا پاٹ بہت چوڑا نہیں ہے لہٰذا ہمیں یہ نظر آتا تھا کہ صبح کے وقت سارے جہاز ایک ہی سمت جاتے ہیں اور شام کے وقت سارے جہاز اس کی مخالف سمت۔ خیر، ہم گیارہ بجے کے قریب منبر الاقصی پہنچ گئے۔ یہاں ہمیں رہائشی کمرے دکھائے گئے جہاں ہم نے سامان رکھ دیا۔ دو افراد کے لیے ایک کمرہ تھا اور ہر اعتبار سے انتہائی معیاری اور بہترین انتظام تھا۔ صفائی اور نفاست ترکوں کا خاصہ ہے اور یہ ذوق ہر ہر چیز میں نظر آتا

ہے۔ منبر الاقصی بھی ترکوں کے عمدہ ذوق کا ایک چھوٹا سا مظہر تھا۔ یہاں رک کر ہم اپنے قارئین کو منبر الاقصی کا تعارف کرانا چاہیں گے، اس کے لیے ہم ایک تعارفی سہ ورقے سے مدد لیتے ہیں جو ہمارے سامنے موجود ہے، اس میں لکھا ہے:

”منبر الاقصی ایک عالمی ادارہ ہے جو علما، خطبا اور مبلغین پر مشتمل ہے۔ اس کا صدر دفتر استنبول، ترکی میں ہے۔ منبر الاقصی دنیا بھر کے علما، خطبا اور مبلغین سے رابطہ رکھتا ہے تاکہ وہ مختلف فورمز سے مسئلۂ بیت المقدس کی یاد دہانی کرواتے رہیں اور اسے تازہ رکھیں۔

نصب العین: دنیا بھر کے خطبا اور واعظین کے لیے ایسے مرکز کا قیام جس کے تحت بیت المقدس کی خدمت جاری رہے

پیغام: خطبا اور واعظین کے تعاون سے مسئلۂ بیت المقدس کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھنا اور بیت المقدس کے رہائشیوں کی استقامت کو تقویت دینے کی کوشش کرنا۔

اہداف:

بیت المقدس کی خدمت کے لیے دنیا بھر کے خطبا اور مبلغین کی جدوجہد میں اتحاد اور یکسانیت پیدا کرنا۔

ان ممالک میں اپنے کاموں کی توسیع کرنا جہاں منبر الاقصی کو اجازت ہو، اور مسئلۂ بیت المقدس کے حل کے لیے متعلقہ حکام سے روابط قائم کرنا۔

خطبا اور مبلغین کو مسئلۂ بیت المقدس کے لیے تیار کرنا اور انھیں مسجدِ اقصیٰ سے متعلق بھرپور علمی رہنمائی فراہم کرنا۔

مسئلۂ بیت المقدس سے آگاہی کے لیے ایسے خطبا اور مبلغین کی کھیپ میدانِ عمل میں اتارنا جو القدس کے معاملے میں امت کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے ہوں۔

مسئلۂ بیت المقدس پر امت کو مجتمع کرنے لیے خطبا اور مبلغین کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان کی کاوشوں کے نتائج منظرِ عام پر لاکر بیت المقدس کے پہرے داروں کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان کی ضروریات کی تکمیل کرنا۔

آخر میں مسند احمد کی یہ حدیث شریف درج ہے: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! بیت المقدس کے بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ اٹھائے جانے اور جمع ہونے کی

زمین ہے۔ وہاں جایا کرو اور نماز پڑھا کرو کیونکہ اس کی ایک نماز دوسری جگہوں میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں کے برابر ہے"۔ انھوں نے عرض کیا: اگر کوئی وہاں جانے کی طاقت نہ رکھتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پس وہ ایندھن تحفے میں بھیجے، جس سے وہاں کے چراغ روشن کیے جائیں، کیونکہ جس نے القدس کے لیے ہدیہ پیش کیا گویا اس نے وہاں نماز پڑھی"۔

نمازِ ظہر کے بعد ایک کانفرنس روم میں جمع ہوئے جہاں سب سے پہلے تعارف کا دور چلا۔ تعارف کے بعد ابتدائی گفتگو کے لیے شیخ محمد العمری تشریف لائے۔ انھوں نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ شیخ محمد العمری کا کہنا تھا کہ القدس کسی ایک ملک یا کسی خطے کا نہیں مسلمانوں کا اجتماعی مسئلہ ہے اور یہ ایک اجماعی مؤقف کا حامل ہے، امتِ مسلمہ کا کوئی طبقہ مسجدِ اقصی کے حصول کی جدوجہد میں اختلاف و انکار کا حامی نہیں۔ شیخ نے گفتگو کے اختتام پر بانیٔ دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر کیا اور انھیں خراجِ تحسین پیش کیا کہ جس زمانے میں تقریبًا نصف سے زیادہ مسلم دنیا کفار کے زیرِ نگیں تھی اور ایک اعتبار سے علمِ دین کے تمام مراکز نیست و نابود ہو چکے تھے، حجاز، بغداد، سمرقند و بخارا، کوفہ، قسطنطنیہ کسی بھی خطے میں علومِ دینیہ کا کوئی نمایاں مرکز باقی نہ رہا تھا، اس تاریکی میں حضرت نانوتوی نے وہ شمع روشن کی جس نے صرف ایشیا کو ہی نہیں افریقہ و یورپ کو بھی منور کر دیا اور آج تک اس شمع کا نور عالمِ اسلام کو روشن کیے ہوئے ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر پر ایک انجانی سی خوشی محسوس ہوئی اور سر فخر سے بلند ہو گیا۔ ہمیں بھی الحمدللہ یہ شرَف حاصل ہے کہ ہم نے حدیث شریف کا درس ان علما سے سنا جو حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کے سلسلہ علمی سے وابستہ ہیں۔

شیخ عمری کی گفتگو ختم ہوئی تو ان کے بعد فلسطین کے ایک عظیم مصنف شیخ مخلص برزق نے طویل گفتگو کی۔ شیخ مخلص کا اندازِ گفتگو نہایت عمدہ اور متاثر کن تھا۔ انھوں نے آیات و روایات سے القدس کی اہمیت واضح کی اور یہودیوں کی تردید و مذمت کی جو آج بیت المقدس کے دعوے دار اور علم بردار بنے ہوئے ہیں۔ شیخ کا کہنا تھا کہ قرآن نے جا بجا ان یہودیوں سے اعلانِ بیزاری و نفرت کیا، کبھی سفیہ یعنی بے وقوف قرار دیا، کبھی انھیں گدھے سے تشبیہ دی، کبھی ان کی مثال کتے سے دی، بار بار بتایا گیا کہ انھوں نے موسی و عیسی علیہما السلام کو اذیت دی، انبیا کی توہین کی اور انھیں شہید کیا۔ حتی کہ اللہ تعالی کو نعوذ باللہ بخیل قرار دیا۔ خدا نے انھیں لعنت زدہ قرار دیا اور ان پر عذاب نازل کیا۔ دوسری طرف ہمارے پیارے نبی ﷺ کو جب

اہلِ طائف نے اذیت دی تو آپ کی دل جوئی کا اہتمام کیا گیا۔ افضل ترین مقام یعنی مسجدِ حرام سے افضل ترین فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی میزبانی میں افضل ترین سواری براق پر سفر کروایا گیا۔ افضل ترین پانی آبِ زم زم سے قلبِ اطہر دھویا گیا اور پھر تمام انبیا آپ کی اقتدا میں کھڑے ہوئے۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اب زمام یہودیوں کے پاس نہیں مسلمانوں کے پاس ہوگی۔ شیخ مخلص نے گفتگو کے دوران ایک اہم بات یہ بیان کی کہ اسلام اور جہاد کا تعلق کسی ملک یا وطن سے نہیں توفیقِ الٰہی اور اخلاص سے ہے۔ نور الدین زنگی ترک تھے اور فاتحِ بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی کرد تھے۔ چنانچہ ہر خطے کے مسلمانوں کو القدس کی حفاظت کے لیے اپنی اپنی کوشش کرنی ہوگی۔ شیخ کی گفتگو کے بعد چند اور تقریریں ہوئیں۔

رات یہیں قیام کیا، صبح نمازِ فجر اور ناشتے کے بعد روانگی ہوئی۔ پہلا قیام اور تاکوئے مسجد یا مجید یہ مسجد پر ہوا۔ استنبول کے علاقے بیشِک تاش میں باسفورس کے کنارے واقع یہ مسجد سلطان عبد المجید اول سے منسوب ہے۔ داخلی دروازے پر ۱۸۵۳ء لکھا ہوا ہے۔ اگرچہ حجم میں یہ مسجد بہت چھوٹی ہے لیکن طرزِ تعمیر بہت عمدہ ہے۔ مسجد سے متّصل ہی ایک ساحلی مقام ہے جہاں کچھ وقت گزار کر واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک مقام پر کئی دکانیں نظر آئیں جہاں مقامی کھانے فروخت ہو رہے تھے۔ انھی میں ایک چھوٹا سا ہوٹل بھی تھا جہاں ہمیں ایک دیسی سوغات پیش کی گئی۔ یہ ایک بڑے آلو پر مشتمل سوغات تھی جس میں انواع و اقسام کی سبزیاں اور زیتون بھرے ہوئے تھے۔ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی تھے۔ اسے ترکی میں کُمپیر اور انگریزی میں Stuffed Baked Potatoes کہا جاتا ہے۔

یہاں سے روانہ ہوئے تو اگلی منزل یادگارِ شہدا میوزیم قرار پائی جہاں ۱۵ جولائی ۲۰۱۶ء کو ہونے والی ناکام فوجی بغاوت میں شہید ترکوں کی باقیات جمع کی گئیں تھیں۔ (بغاوت کا تفصیلی ذکر گزشتہ اقساط میں گزر چکا ہے) ایک گاڑی اور ایک موٹر سائیکل بھی میوزیم میں موجود تھی جس پر گولیوں کے نشانات تھے۔ شہدا کی جوتیاں ترتیب کے ساتھ رکھی گئی تھیں اور دیوار پر تمام شہدا کے نام تحریر تھے۔ ایک کمرے میں بڑی اسکرین پر بزبانِ ترکی ڈاکومنٹری دکھائی گئی جس میں اس بغاوت کی تفصیلات موجود تھیں۔ فوجیوں کی نقل و حرکت اور شہریوں کے دفاع کی ویڈیوز بھی مختلف کیمروں سے حاصل کر کے ڈاکومنٹری میں شامل کی گئیں۔ پورا میوزیم اس پیغام پر مشتمل تھا کہ اپنی قوم کے لیے لڑنے اور مرنے والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں

جبکہ غدار دونوں جہاں کی رسوائیاں سمیٹ کر اپنا نام و نشان تک مٹا ڈالتے ہیں۔ اسی میوزیم میں سابق وزیرِ اعظم ترکی مرحوم عدنان میندریس کی تصویر اور ان کا تعارف آویزاں تھا۔ عدنان میندریس کو فوج نے عہدے سے برطرف کیا اور سزائے موت دے دی۔ ان کا جرم یہ تھا کہ اتاترک نے صرف ترکی زبان میں اذان کی اجازت دی تھی۔ انھوں نے حکم نامہ جاری کیا کہ کسی بھی زبان میں اذان دی جا سکتی ہے اور اس حکم نامے پر انھیں قتل کر دیا گیا۔ مقدمہ آئین شکنی پر چلایا گیا۔ عدنان میندریس کو ستمبر ۱۹۶۱ء میں پھانسی دی گئی۔

میوزیم سے نکلے تو نمازِ جمعہ کا وقت قریب تھا۔ نمازِ جمعہ ترکی کی سب سے بڑی مسجد ''چاملیجا جامی'' میں ادا کرنا طے تھا اس لیے مسجد کی طرف روانگی ہوئی۔ ترکی زبان میں مسجد کو ''جامی'' کہتے ہیں۔ اس چاملیجا جامی کو صدر اردگان کے حکم پر تعمیر کیا گیا اور ۷ مارچ ۲۰۱۹ء کو اس کی تکمیل ہوئی۔ استنبول کے ضلع اُسکودار کے قریب واقع چاملیجا پہاڑی پر قائم یہ مسجد دور دراز کے علاقوں سے بھی نظر آتی ہے۔ یہ اتنی بڑی اور وسیع مسجد ہے کہ اس کا احاطہ چند سطور میں ممکن نہیں۔ ۶۳ ہزار نمازیوں کی گنجائش کے ساتھ یہ مسجد صرف کشادہ ہی نہیں آرائش و زیبائش میں بھی بے مثال ہے۔ اس کا داخلی حصہ انتہائی خوبصورت منظر پیش کرتا ہے۔ اس مسجد میں چھے مینار اور ستر گنبد ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس مسجد کی منصوبہ سازی سے تکمیل تک تقریباً بیس سال کا عرصہ لگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ روزنامہ مصباح، استنبول کے مطابق اس مسجد کا نقشہ فنِ تعمیرات کی ماہر دو ترک خواتین کا تیار کردہ ہے۔ تین مئی ۲۰۱۹ء کو صدر اردگان نے اس مسجد کا باقاعدہ افتتاح کیا جس میں کئی عالمی شخصیات نے شرکت کی، جن میں ایک نمایاں نام فلسطینی وزیرِ اعظم محمد اشتیہ کا ہے۔ ترکی میں چند ہی مساجد ہیں جن کے چھے مینار ہیں اور چاملیجا ان میں سے ایک ہے۔ سلطان احمد مسجد (جس کا ذکر گزشتہ اقساط میں ہو چکا) چھے میناروں کی حامل پہلی مسجد تھی۔ چاملیجا مسجد تین اعتبارات سے انفرادیت کی حامل ہے۔ اول اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے۔ دوم چھے میناروں اور ستر گنبدوں کے اعتبار سے اور سوم یہ کہ اس کی افتتاحی عبارت قدیم ترکی زبان میں تحریر کی گئی ہے جس کا رسم عربی ہے۔ جدید تعمیرات میں کہیں بھی عربی رسم میں ترکی لکھی ہوئی نظر نہیں آئی لیکن اس مسجد میں تعارفی کتبہ عربی رسم میں تحریر کیا گیا ہے۔ دیوار پر موجود تعارفی عبارت صرف ترکی زبان میں تھی اس لیے اس کا ترجمہ نہ کر سکے۔ عبارت دو

مرتبہ اوپر نیچے لکھی گئی ہے۔ دونوں ترکی زبانیں ہیں، اوپر عربی رسم میں اور نیچے انگریزی رسم میں۔

احاطے میں ایک باغ، ایک کانفرنس ہال، ایک لائبریری، ایک میوزیم اور ایک آرٹ گیلری بھی شامل ہے۔ زائرین کے لیے ایک وسیع پارکنگ بھی بنائی گئی ہے جہاں تقریباً ۳۵۰۰ گاڑیاں بیک وقت کھڑی ہو سکتی ہیں۔ طرزِ تعمیر قدیم عثمانی طرز سے مشابہ اور معمار سنان کی تعمیر کردہ مساجد سے ملتا جلتا ہے۔ مسجد کے باہر بچوں کے کھیلنے کے لیے جھولے بھی لگائے گئے ہیں۔ داخلی دروازوں پر حرم شریف کی طرح تھیلیوں کے رول لگے ہوئے ہیں جو جوتے رکھنے کے کام آتی ہیں۔ اندر مختلف مقامات پر سینکڑوں کی تعداد میں لکڑی کے ڈبے بنائے گئے ہیں جہاں جوتے رکھے جاتے ہیں۔ ہر ڈبے پر ایک نمبر لگایا گیا ہے تاکہ جوتے تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔ لکڑی کے ان ڈبوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ہر ڈبے میں ایک سرخ اور ایک سبز بلب لگا ہوا ہے جو سینسرز سے منسلک ہے۔ ڈبہ خالی ہو تو سبز بلب جلتا ہے اور خالی نہ ہو تو سرخ بلب جل اٹھتا ہے۔ ایک مقام پر زائرین کے لیے لباس کے حوالے سے ضابطہ نظر آیا جس میں غیر ساتر لباس کے ساتھ مسجد میں داخلے کی ممانعت درج تھی۔

اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دروازے بالکل کسی شاہی محل کے دروازوں جیسے ہیں۔ ہمارے سامنے جو دروازہ ہے اس کے دائیں پٹ پر قرآنی آیت ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ ”متقی لوگ باغات اور چشموں کے درمیان رہیں گے“ اور بائیں پٹ پر آیت ﴿ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ﴾ ”(اُن سے کہا جائے گا کہ) ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر داخل ہو جاؤ“ لکھی ہوئی ہے۔ دروازے کے اوپر خطاطی میں یہ عبارت درج ہے: سبحانک، ما عبدناک حق عبادتک یا معبود ”آپ پاک ہیں، ہم نے آپ کی ویسی عبادت نہیں کی جیسی کرنے کا حق تھا، اے معبود“۔ مرکزی دروازے پر یہ آیتِ مبارکہ درج ہے: ﴿وَاللهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ ”اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے تک پہنچا دیتا ہے“۔ مرکزی ہال میں ایک بہت بڑا فانوس گنبد سے معلق ہے جو مسجد کے حسن کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ مسجد کے معماروں نے اسے زلزلہ پروف عمارت قرار دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ خدانخواستہ زلزلے کی صورت میں تقریباً ایک لاکھ افراد مسجد میں

پناہ لے سکتے ہیں۔ مسجد میں وسیع وضو خانوں کے ساتھ ساتھ، ایک قدیم طرز کا چھتری نما وضو خانہ بھی بنایا گیا ہے جسے شادر یوان کہتے ہیں۔ اب آپ کو اس مسجد سے متعلق کچھ دلچسپ باتیں بتاتے ہیں:

ٹی آر ٹی میڈیا کے مطابق مسجد کا درمیانی گنبد ۷۲ میٹر اونچا ہے جو ترکی میں شامل ۷۲ اقوام کی نمائندگی کرتا ہے۔ چھے مینار اسلام کے چھے ارکان کو نمایاں کرتے ہیں۔ پانچ تو واضح ہیں، غالباً چھٹا رکن جہاد ہے۔ ان چھے میں سے چار مینار ۱۰۷ء۱ (ایک سو سات اعشاریہ ایک) میٹر بلند ہیں۔ ۱۰۷۱ کا عدد سلجوقیوں کی باز نطینوں کے خلاف معرکۂ ملازگرد کی فتح کی یاد دلاتا ہے جو سن ۱۰۷۱ء میں لڑی گئی۔ اس جنگ کے بعد اناطولیہ ہمیشہ کے لیے عیسائیوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

یہ تو تھیں مسجد کی تفصیلات، بہرحال، خطبۂ جمعہ اور نماز کے بعد ہم مسجد سے باہر آئے تو سوزوکی نما ایک گاڑی نظر آئی جس پر ایک بڑا برتن رکھا ہوا تھا۔ گاڑی کے آگے قطار لگی ہوئی تھی۔ ہمارے میزبان قطار میں لگے تو ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ باری آئی تو معلوم ہوا کہ شیرینی تقسیم ہو رہی ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ ترکی کی جلیبی تقسیم ہو رہی تھی۔ بتایا گیا کہ لوگ ایصالِ ثواب کے لیے اس طرح کے اقدامات کرتے رہتے ہیں۔ ایک اور دلچسپ بات جو ذکر ہونے سے رہ گئی وہ یہ ہے کہ ترکی میں جہاں کہیں بھی کوئی سیاحتی مقام بلندی پر واقع ہے وہاں سیاحوں کے لیے آہنی دور بینیں بھی نصب کی گئی ہیں جہاں سے دور تک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ مسجد استنبول کے ایشیائی حصے میں واقع ہے۔ جبکہ ہماری رہائش یعنی فاتح بلدیہ یورپی حصے میں تھی لہٰذا واپسی پھر آبنائے باسفورس سے ہوئی۔ آج رات استنبول سے بذریعہ جہاز ترکی کے دوسرے کنارے پر واقع ریحان لی شہر پہنچنا تھا اس لیے وقت تنگ تھا۔ فاتح پہنچ کر سب سے پہلے IHH (آئی ایچ ایچ جس کا تلفظ 'ای ہا ہا' ہے) کے صدر دفتر روانہ ہوئے۔ لیکن صدر دفتر پہنچنے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ " آئی ایچ ایچ" کیا ہے؟ اس کے لیے آپ اگلی قسط تک ہمارے ساتھ رہیے۔

جاری ہے

*****

فتاویٰ یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

قرض دار پر قربانی

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ میرے پاس کمیٹی میں تقریبا ایک لاکھ پچاس ہزار جمع کیا ہوا ہے اور دو لاکھ ادھار ہے۔ مجھ پر قرض ہونے کی بنا پر بھی قربانی واجب ہے یا نہیں جبکہ میرے پاس گزر بسر کا کوئی بندوبست بھی نہیں ہے۔ کیا مجھے ادھار لے کر قربانی کرنی ہوگی؟

جواب: ذی الحجہ دسویں تاریخ کو اپنے مال کا حساب لگائیں۔ سونا، چاندی، نقد رقم، تجارت کی نیت سے خریدا ہوا مال اور ضرورت سے زائد سامان، ان میں سے جو کچھ آپ کی ملکیت میں موجود ہے، ان کی مجموعی قیمت لگا کر کمیٹی میں جمع شدہ رقم کو مجموعے میں شامل کریں، پھر آپ کے ذمے جو قرض ہے، اس کو اس مجموعے سے منہا (Minus) کریں، اس کے بعد بقیہ مال کو دیکھیں، اگر وہ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کے بقدر ہے تو آپ کے ذمے قربانی واجب ہے، اگر نصاب سے کم ہے تو آپ کے ذمے قربانی واجب نہیں۔

ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب (الفتاوى الهندية (٥/ ٢٩٢)

والله أعلم بالصواب

* * * *

احمد حاطبؔ صدیقی

معروف ادیب اور شاعر

علاوہ اور سوا کا استعمال

سوائے سنگ دلی اور کچھ ہنر بھی ہے؟

بڑی منھ چڑھی غلطی ہے جو عوام ہی کی نہیں خواص کی زبانوں پر بھی چڑھی جا رہی ہے۔ ہم دانتوں تلے انگلیاں دابے حیرت سے دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے علما فضلا بھی اب ''علاوہ'' اور ''سِوا'' میں فرق نہیں کرپاتے۔ روزمرہ بول چال اور سیاسی تقریروں کے علاوہ، علمی خطبات اور محققانہ تحریروں میں بھی استثنا کے لیے سوائے علاوہ کے انھیں کوئی لفظ نظر ہی نہیں آتا۔ بعض سکہ بند اہلِ زبان بھی اس غلطی کو بار بار دہراتے دیکھے گئے ہیں۔ اب نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ ''سِوا'' کے معنوں میں ''علاوہ'' لکھنے کے حق میں دلائل بھی دیے جانے لگے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ دلائل کو تقویت پہنچانے کے لیے اکابر کی تحریروں سے مثالیں بھی دستیاب ہیں۔ بہت سی دوسری غلطیوں کی طرح شاید یہ غلطی بھی گوارا کرلی جاتی۔ ''غلط العام'' کہہ کر ''فصیح البیان'' قرار دے ڈالی جاتی۔ مگر چوں کہ اس غلطی کے اثرات ہمارے بنیادی عقیدے اور کلمۂ توحید کے ترجمے پر بھی پڑتے ہیں، چناں چہ لازم ہے کہ اس باب میں سختی سے احتیاط کی جائے اور اصلاح کی خاطر، جہاں تک بات پہنچائی جا سکے، پہنچادی جائے۔ ہماری طرح خود آپ نے بھی سنا اور دیکھا ہوگا، نیز پروفیسر ڈاکٹر غازی علم الدین نے اپنی کتاب ''لسانی زاویے'' کے ایک مضمون ''علاوہ کی ذو معنویت اور اِبہام وِاہمال'' میں تحریر بھی کیا ہے کہ ''ایک اُردو ٹی وی چینل پر نشر ہونے والے پروگرام میں، ایک معروف عالم اور مبلغ نے ایک نومسلم کو کلمۂ طیبہ اور اس کا ترجمہ پڑھایا، ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں''۔ (ص:۵۴) مضمون کے متعلقہ

حاشیے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''پیس Peace ٹی وی چینل پر ۴؍ جون ۲۰۱۹ء کو نشر ہونے والے ایک پروگرام میں ڈاکٹر ذاکر نائک نے ایک غیر مسلم کو کلمۂ طیبہ پڑھا کر مسلمان کیا اور ساتھ اس کلمے کا ترجمہ بھی پڑھایا۔ ترجمے میں ڈاکٹر ذاکر نائک نے ''سوا'' کی جگہ ''علاوہ'' ادا کیا''۔ (ص:۶۱) گو کہ ڈاکٹر ذاکر نائک خود بھی اعتراف کر چکے ہیں کہ انھیں اردو پر عبور نہیں، لیکن عربی تو وہ بھی جانتے ہیں۔ ''علاوہ'' اور ''سوا'' دونوں عربی الفاظ ہیں۔ خیر، ڈاکٹر ذاکر نائک کا نام تو محض بطور مثال آ گیا۔ اچھے اچھے اردو دان علما ''علاوہ'' اور ''سوا'' میں اب فرق روا نہیں رکھتے۔ ''علاوہ'' کے لغوی معنی ہیں ''وہ چیز جو دوسری چیز کے اوپر رکھ دی جائے''۔ عربی لغت ''علاوہ'' کا مطلب ''مَازَادَ عَلَیہِ'' بتاتی ہے۔ یعنی ''جو اس پر زیادہ ہو''۔ جیسے کہا جائے کہ ''مزدوری کے علاوہ کھانا بھی دیا جائے گا''۔ گویا ''علاوہ'' کہہ کر رقم اور کھانا دونوں چیزیں مزدوروں کی اجرت میں شامل کر دی گئیں۔ پس علاوہ کا مفہوم شمولیت اور شرکت ہے۔ مثلاً ''احمد کے علاوہ حامد اور محمود وہاں موجود تھے''۔ یہ تین افراد کا ذکر ہوا۔ علاوہ کی جگہ اردو میں ''سمیت'' بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کہا جائے کہ ''احمد کے علاوہ حامد، محمود، حماد اور حمید غیر حاضر ہیں'' تو مطلب یہ ہوا کہ احمد سمیت سب غیر حاضر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک کتب و رسائل کے متعلق یہ فقرہ نظر آتا تھا ''قیمت ۱۰؍ روپے، علاوہ محصول ڈاک''۔ بظاہر لفظ ''علاوہ'' یہاں دو چیزوں کو الگ الگ کرتا نظر آ رہا ہے، لیکن دراصل یہاں بھی شمولیت ہی ظاہر ہو رہی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ خریدار کی جان صرف ۱۰؍ روپے ادا کر کے چھوٹ نہیں جائے گی۔ دس روپے کے علاوہ ڈاک کے اخراجات بھی دینے ہوں گے۔ گویا ''علاوہ'' لکھ کر اگلے پچھلے سب کو شامل کر لیا۔ پس اگر کسی محفل میں آپ یہ دعویٰ فرمائیں کہ ''یہاں میرے علاوہ سب جاہل ہیں'' تو علاوہ اور سوا کے فرق کا علم رکھنے والے آپ سے فوراً اتفاق کر لیں گے۔ کیوں کہ یہاں ''میرے علاوہ'' کا مطلب ہو گا ''مجھ سمیت''۔ حرفِ استثنا ''سوا'' ہے۔ یہ شرکت و شمولیت کے لیے نہیں، علیحدگی، اخراج اور نفی کے لیے آتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باقی تو کوئی معبود نہیں ہے، مگر اللہ معبود ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں''، تو ''علاوہ'' لگا دینے سے مفہوم یہ ہو گیا کہ اللہ بھی معبود نہیں، کوئی دوسرا بھی معبود نہیں۔ چھٹی ہوئی۔ یعنی اللہ سمیت کوئی بھی معبود نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کہا جائے کہ ''کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفا ہے''۔ اس

جملے سے یہ سمجھا جائے گا کہ کلونجی میں موت سمیت ہر بیماری سے شفا ہے۔ جب کہ حدیثِ مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ ''موت کے سوا'' ہر بیماری سے شفا ہے۔ یعنی موت کا کوئی علاج نہیں۔ ''موت'' مستثنیٰ ہے، باقی ہر بیماری کا علاج ہے۔ ''سِوا'' کے مفہوم میں عربی کی طرح اردو میں بھی ''ماسوا''، ''بجز''، ''اِلّا'' اور ''غیر'' کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ رحمٰن کیانی سرورِ کائنات ﷺ کے حضور آپ ﷺ کی اُمتِ موجود کے حالاتِ زبوں پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

ماسو اللہ زمانے میں، شہِ ہر دو سرا!
یہ کسی کے بھی نہیں، کوئی نہیں ہے ان کا

''بجز'' کا استعمال فیضؔ کے اس مشہور مصرع میں دیکھیے ''ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت''۔ یعنی اس دل میں ہر طرح کا داغ ہے سوائے ندامت کے داغ کے۔ مراد یہ کہ ندامت کا داغ نہیں ہے۔ اب ''اِلّا'' کی مثال بھی لے لیجیے۔ میرؔ صاحب فرماتے ہیں:

آج ہمارے گھر آیا، تو کیا ہے یاں جو نثار کریں
اِلّا کھینچ بغل میں تجھ کو دیر تلک ہم پیار کریں

مطلب یہ کہ اپنا کمینہ پن دکھانے کے سوا شاعر کے گھر میں کچھ بھی نہیں۔ پیزا اور کولڈ ڈرنک بھی نہیں۔

ہماری عام بول چال میں بھی ''اِلّا'' کا یہ استعمال بہت عام ہے۔ مثلاً: ''میں تو اب اس کو گھر میں گھسنے بھی نہیں دوں گا، اِلّا یہ کہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ ہو، اور اپنی بہن سے معافی مانگے''۔ ''سوا'' کے معنوں میں لفظ ''غیر'' کا استعمال کرتے ہوئے مرزا غالبؔ خوشی خوشی اعلان کرتے ہیں:

وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حُسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

''غیر'' کے بعد ''از'' لگا کر بولنے کا رواج اب عام بول چال میں کم ہو گیا ہے۔ عام بول چال میں ''غیر'' سے پہلے ''ب'' لگا کر ''سوا'' کے معنی لے لیے جاتے ہیں، مثلاً ''بغیر اجازت اندر آنا منع ہے''۔ یعنی اندر آنے کی ممانعت ہے، بجز

اس کے، سوائے اس کے یا اِلّا یہ کہ آپ اندر آنے کی اجازت لے لیں۔ جنابِ میرؔ جب حسینوں کو جلی کٹی سنانے پر اتر آئے تو ہاتھ نچا نچا کر فرمایا:

سوائے سنگ دلی اور کچھ ہنر بھی ہے؟
بُتاں! دلوں میں تمھارے خدا کا ڈر بھی ہے؟

گویا بُتاں کے ہر ہنر کی نفی کی گئی، مگر سنگ دلی کا ہنر تسلیم کر لیا گیا۔ آج کا شاعر ہوتا تو "سوائے" کی جگہ "علاوہ" کو پکڑ کر باندھ دیتا اور خوش ہوتا کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ صاحبو! "سوا" حرفِ استثنا ہے اور "علاوہ" حرفِ شمولیت جو "Moreover" کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ اقبالؔ نے بالِ جبریل کی ایک غزل میں "سوا" کو ردیف کا حصہ بنایا ہے۔ پوری غزل پڑھ لیجیے، سوا کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ مطلع عرض ہے:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

*****